شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ **رحیمیہ** لاہور

مجلس ادارت

سرپرست: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمن

صدر: مفتی عبدالمتین نعمانی

مدیر: محمد عباس شاد

بانی: حضرت اقدس مولانا **شاہ سعید احمد** رائے پوریؒ مسند نشین رابع خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور

مدیرِ اعلیٰ: حضرت اقدس مولانا **مفتی عبدالخالق آزاد** رائے پوری جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ

جنوری 2019ء / ربیع الثانی، جمادیٰ الاولیٰ 1440ھ جلد نمبر 11، شمارہ نمبر 1 - قیمت: 20 روپے سالانہ ممبرشپ: 200 روپے تین سالہ ممبرشپ: 500 روپے

ترتیبِ مضامین

- عام منافقین کی گمراہی کی مثال
- قرآن سے حقیقی تعلق پیدا کریں
- حضرت اُبَیّ بن کعب انصاری رضی اللہ عنہ
- ریاستِ مدینہ اور ولی اللّٰہی فکر کا امتیاز
- ارتفاقِ دوم؛ فنِ معاشیات اور اُس کے تقاضے
- سلطان علاؤالدین خلجی کا معاشی فلاح کا پروگرام
- پاکستان کی معیشت یا سرمایہ داروں کا میدانِ جنگ
- مشرقِ وسطیٰ کا نیا منظر نامہ
- سیرتِ مقدسہ کا اہم ترین پہلو؛ اجتماعیت
- مواخاتِ مدینہ اور قبائلی شناختیں
- سیرت النبیؐ اور اجتماعیت
- کرپٹ نظام میں ذاتی مفادات کا کھیل
- حضرت مولانا خواجہ محمد عبدالحیٔ فاروقیؒ
- ''سیرت کو اپنے اجتماعی کردار کا حصہ بنانا ضروری ہے''
- نعت بہ حضور سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم
- دینی مسائل

ارشادِ گرامی

حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ

مسند نشینِ ثانی خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

''اللہ میاں اپنے بندوں پر بے حد مہربان ہیں۔ جس طرح والدین اپنے بچوں کو بے حد پیار کرتے ہیں، اللہ میاں اس سے بھی زیادہ اپنے بندوں کو پیار کرتے ہیں۔ تو جس طرح والدین بعض اوقات نشتر لگا کر بھی اولاد پر مہربانی کرتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ (کا) یہ سلوک ہے کہ ہر شخص کو دوزخ پر سے گزرنا ہوگا۔

اس لیے (حدیث شریف میں) آیا ہے کہ پُل صراط پر سے کوئی اپنے عملوں کے مطابق بجلی کی طرح گزرے گا، کوئی ہوا کی طرح، کوئی سوار کی طرح، کوئی پیدل کی طرح اور بعض دوزخ میں گر کر ـــــ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے ـــــ نکلیں گے اور جنت میں جائیں گے۔''

(مجلس: ۲۸رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ/ 26/اگست 1946ء، بروز سوموار، مقام: رائے پور)

(ارشادات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، ص 169، طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور)

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

رحیمیہ ہاؤس، 33/A، کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور

0092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org

Email: info@rahimia.org

رحیمیہ کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جاسکتا ہے۔

رقومات کی ترسیل بنام ''ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ ٹرسٹ لاہور'' اکاؤنٹ نمبر **0010030341820010** **الائیڈ بینک** مزنگ چونگی برانچ لاہور، برانچ کوڈ **0533**

www.rahimia.org

درسِ قرآن

تفسیر: شیخ التفسیر مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

عام منافقین کی گمراہی کی مثال

اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۭ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَھُمْ ۭ كُلَّمَآ اَضَاۗءَ لَھُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ڎ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (2:20-19)

(یا اُن (منافقین) کی مثال ایسی ہے جیسے زور سے مینہ پڑ رہا ہو آسمان سے، اس میں اندھیرے ہیں اور گرج اور بجلی، دیتے ہیں اُنگلیاں اپنے کانوں میں مارے کڑک کے موت کے ڈر سے۔ اور اللہ احاطہ کرنے والا ہے کافروں کا۔ قریب ہے کہ بجلی اُچک لے اُن کی آنکھیں، (وہ) جب چمکتی ہے ان پر تو چلنے لگتے ہیں اس کی روشنی میں، اور جب اندھیرا ہوتا ہے تو کھڑے رہ جاتے ہیں۔ اور اگر چاہے اللہ تو لے جائے اُن کے کان اور آنکھیں، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔)

گزشتہ پورے ایک رکوع سے ایک ایسے انسانی گروہ کا تذکرہ چل رہا ہے، جن میں نفاق کا مرض سرایت کیے ہوئے ہے۔ وہ بہ ظاہر ایمان قبول کرنے کا اعلان کرتے ہیں، لیکن اپنے دلی امراض، بداَخلاقی اور بدکرداری کے سبب قرآن حکیم کی سچی تعلیمات سے فیض یاب نہیں ہوسکے۔ وہ صرف ذاتی مفادات اور گروہی مقاصد کے لیے قرآنی تعلیمات کو اپنانے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اس لیے اُن پر قرآن حکیم کی تعلیم و تربیت کے اثرات ظاہر نہیں ہو رہے۔ پورے رکوع میں منافقین کے دلی امراض بیان کرنے کے بعد اس گروہ کی حالت کو بیان کرنے کے لیے دو مثالیں دی گئی ہیں۔ گزشتہ دو آیات میں منافقوں کے سرداروں کی مثال دی گئی تھی، جب کہ درج بالا دو آیات میں اُن کی اتباع کرنے والے عام منافقوں کی حالت کو ایک مثال کے ذریعے واضح کیا جا رہا ہے۔

اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ: منافقین کا دوُرخاپن ظاہر ہونا اور ہدایت فروخت کر کے گمراہی خرید لینے والی گھاٹے کی تجارت اور اپنے اس منافقانہ کردار کی وجہ سے جو ذلت، رُسوائی اور تکلیف سہنی پڑ رہی ہے، اس کے نتیجے میں ان کی حالت گویا ایسی ہے کہ اُن پر آسمان سے موسلا دھار بارش برس رہی ہو، اُس میں اندھیرے اور بجلی کی کڑک ہو اور موت کے ڈر سے وہ اپنے کانوں میں اُنگلیاں دے رہے ہوں۔ اس کے باوجود بھی اپنی منافقت نہیں چھوڑ رہے اور حقائق کا انکار کر رہے ہیں۔

وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَھُمْ ۭ: اس حالت میں گویا کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے گھیرے میں ہیں اور انھیں قرآن حکیم کی تعلیمات سے فائدہ اٹھانے کی توفیق نہیں ہو رہی۔ اُن کے مسلسل منافقانہ کردار کی وجہ سے قریب ہے کہ اس اندھیری رات کی کڑکنے والی بجلی ان کی آنکھوں کو اُچک کر لے جائے اور وہ گرد و پیش کے ماحول کو صحیح طور پر دیکھنے، بصیرت اور شعور سے چیزوں کو سمجھنے کی انسانی فطری استعداد سے محروم ہو جائیں۔ اس لیے کہ انسان جب مسلسل غلط کام کرتا رہتا ہے تو اُس میں صحیح علم و عمل کو قبول کرنے کی استعداد ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔ جس انسان کی دیکھنے، سننے اور سمجھنے کی صلاحیت ختم ہو جائے، وہ عذاب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

كُلَّمَآ اَضَاۗءَ لَھُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ڎ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ۭ: جب یہ مسلمانوں کے پاس آتے ہیں اور ایمان کی کچھ روشنی ہوتی ہے تو راستہ نظر آنے پر چلنے لگتے ہیں اور جب اپنے منافق سرداروں کے پاس جاتے ہیں اور ان کے سامنے غلط اعمال و افکار کا اندھیرا چھا جاتا ہے تو رُک کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس طرح حیرانی و پریشانی کی حالت میں ہیں۔ ان میں اگرچہ سچائی قبول کرنے کی استعداد تھی، لیکن اپنی منافقت اور جھوٹے لیڈروں کی اتباع کے نتیجے میں اس استعداد سے محروم ہوتے جا رہے ہیں۔ لیکن بہ ظاہر اسلام قبول کرنے کے نتیجے میں جو دُنیاوی اغراض اور مفادات حاصل ہوتے ہیں، انھیں بھی چھوڑنا نہیں چاہتے، اس لیے تذبذب کی حالت میں ہیں۔ مسلمانوں کی طرف آتے ہیں تو اُن کی طرح کے اعمال کرنے لگ جاتے ہیں۔ جب اپنے منافق لیڈروں کے پاس جاتے ہیں تو اُن کی اطاعت اور اُن کے مفادات کے لیے کام کرنے لگتے ہیں۔

وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝: ان کی اس مسلسل منافقت اور غلط کاری کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ ان کے سننے اور دیکھنے کی صلاحیتوں کو سِرے سے ختم کر کے رکھ دے گا۔ اور جب انسان کی سوچنے سمجھنے اور دیکھنے کی صلاحیت ختم ہو کر رہ جائے تو اُس کے لیے تباہی اور بربادی کا راستہ ہی باقی رہ جاتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے کہ غلط کار لوگوں کو اُن کی بداعمالیوں کی سزا دے اور اُن کی صلاحیت اور استعداد کو سِرے سے ختم کر کے رکھ دے۔

ایسے لوگ قرآنی تعلیمات سے بے توجہی اور اپنے نفاق، دلی امراض، غلط کاری اور مفاد پرستی کی وجہ سے تقویٰ کے حصول کی صلاحیت اور استعداد سے محروم ہو چکے ہیں۔ وہ قرآن کی سچی تعلیمات سے ہدایت یافتہ نہیں ہو سکتے۔ قرآن حکیم کی تعلیم تو ہر طرح کے شک و شبہ سے بالاتر ہے اور اس تعلیم کا لازمی اثر یہ ہے کہ یہ انسانیت کے سامنے ترقی اور کامیابی کا ہدایت والا راستہ واضح کرتی ہے۔ اگر انسانیت میں سے کوئی گروہ ان تعلیمات کا سِرے سے انکار کرے، بہ ظاہر ایمان قبول کرنے کے بعد صدقِ دل سے انھیں نہ مانے، وہ کبھی بھی قرآنی تعلیمات سے مستفید نہیں ہو سکتا۔

گزشتہ آیات سے یہ ثابت ہو گیا کہ قرآنی تعلیمات بغیر کسی شک و شبہ کے اپنی تاثیر رکھتی ہیں۔ قرآن حکیم کی تعلیم و تربیت کی یہ اثر انگیزی صرف انھیں لوگوں پر ہو سکتی ہے، جو صدقِ دل کے ساتھ اس کی تعلیمات کی طرف متوجہ ہوں، اسے دل سے قبول کریں، اس کے مطابق اپنے افکار، اعمال اور اَخلاق بنائیں۔ وہ ایمان بالغیب، اللہ کے ساتھ سچا تعلق قائم کرنے، انسانی خدمت کے لیے اپنا مال خرچ کرنے اور انسانی زندگی کے آخرت سے متعلق ارتقائی مراحل پر پختہ یقین رکھتے ہوں۔ یقیناً ایسے لوگ ہی قرآنی تعلیمات سے ہدایت حاصل کرتے اور دنیا اور آخرت میں کامیاب ہوتے ہیں۔

www.rahimia.org

درسِ حدیث

از: مولانا ڈاکٹر محمد ناصر، جھنگ

قرآن سے حقیقی تعلق پیدا کریں

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہ ﷺ: ''یُوشَکُ أنْ یَّأتِیَ عَلٰی النَّاسِ زَمَانٌ ... لَایَبْقٰی مِنَ الْقُرْآنِ إلَّا رَسْمُہٗ، الخ.'' (مشکوۃ المصابیح، حدیث نمبر 257)

(رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جلد ہی لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ قرآن صرف رسم کے طور پر باقی رہے گا۔)

اس حدیثِ مبارکہ میں رسولِ اکرم ﷺ نے آئندہ زمانے میں آنے والے مسلمانوں کی جن چند خرابیوں کا ذکر کیا ہے، ان میں سے دوسری بات یہ ارشاد فرمائی کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ لوگوں کا قرآن کے ساتھ رسمی تعلق رہ جائے گا۔ احکاماتِ قرآن، مقاصدِ قرآن کا فہم اور اس پر انفرادی اور اجتماعی عمل ان کی زندگی سے نکل جائے گا۔ قرآن اپنے نزول کے مقاصد یہ بیان کرتا ہے کہ مسلمان قرآن میں غور وفکر کے ذریعے ہدایت حاصل کریں۔ عقل وتدبر کا رویہ اپنائیں۔ عصری ضرورتوں کو سمجھیں اور نظامِ عدل کو قائم کرنے کے ذمہ دار بنیں، تاکہ ہر طرح کا ظلم ختم ہو جائے اور اللہ کا دین غالب آجائے۔ عدل وانصاف، مساوات اور حقوق کا نظام قائم ہو جائے۔

قابلِ غور بات یہ ہے کہ قرآن جو اپنے مقاصد بیان کرتا ہے، کیا آج ہماری زندگی ان تعلیمات پر قائم ہے؟ کیا اپنے مسائل کے حل کے لیے ہم قرآن سے رہنمائی لیتے ہیں؟ حقیقتِ حال یہ ہے کہ قرآنی ہدایات کی روشنی میں ہم نے غور وفکر کرنا چھوڑ دیا ہے۔ اس بنا پر قرآنی نظامِ زندگی ہماری اجتماعی زندگی سے نکل گیا ہے۔ قرآنی فکر کی اساس پر ہماری اپنی ٹھوس اور پائیدار سوچ نہیں ہے۔ ہم پروپیگنڈے کے بہاؤ میں بہہ جاتے ہیں۔ عصری تقاضوں سے ہم آہنگی کو ہم گمراہی تصور کرتے ہیں، جب کہ حالات کے جبر میں دل وجان سے ہر فرسودہ سوچ کے عَلم بردار ہوتے ہیں۔

مغربی فکر وفلسفے کا غلبہ ہوتا ہے۔ عوام الناس اس حقیقت کا اِدراک نہیں رکھتے۔ ہمارے نام نہاد مفکرین دین کے نام پر سرمایہ دارانہ نظام پیش کر رہے ہیں۔ قرآن کی روشنی میں وہ عقل وتدبر جس سے حُریتِ فکر اور غلبۂ دین قائم ہو، ہماری فہم وفراست اس سے آشنا نہیں ہے۔ اگر کوئی آزادی کی بات کرتا ہے تو وہ ناپائیدار، روایتی اور رسمی ہے۔ دراصل وہ موجود نظام کی مرعوبیت اور جکڑ بندی میں رہ کر بات کرتا ہے۔ اس صورتِ حال نے ہمیں بے حد نقصان پہنچایا ہے۔ رسول اللہؐ نے نزولِ قرآن کے بعد جو عربوں کی حالت کو بدلا، حریتِ فکر قائم ہوئی، ظلم ختم ہوا اور پورا نظامِ زندگی قائم ہوگیا، عدل و انصاف کا غلبہ ہوگیا، اس طرف ہمارا غور وفکر اور سوچ بچار کا عمل قطعی طور پر نہیں ہے۔ اس حدیثِ مبارکہ کی روشنی میں اس وقت ہم قرآن کے حوالے سے اُسی رَسمیت کا شکار ہیں، جس کی نشان دہی رسولِ خدا ﷺ نے فرمائی۔ اس لیے ہمیں حالاتِ حاضرہ کا جائزہ لے کر قرآنی فکر کو غالب کرنے کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے۔

صحابہؓ کا ایمان افروز کردار

مولانا قاضی محمد یوسف، حسن ابدال

حضرت اُبَیّ بن کعب انصاری رضی اللہ عنہ

سیّد القُراء حضرت ابوالمنذر اُبیّ بن کعب انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ شریکِ بدر اور علم وعمل کے جامع تھے۔ آپؓ ایسے فقہا ومفسرین صحابہؓ میں سے تھے، جو عہدِ نبویؐ میں منصبِ افتا پر فائز رہے۔ بیعتِ عقبہ میں ستر انصار کے ساتھ شامل تھے۔ آپؓ نے زندگی کا ایک ایک لمحہ رسول اللہ ﷺ کے لیے وقف کر دیا تھا۔ آپؓ سے 1164 احادیث مروی ہیں۔ آپؓ حضرات ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے خلافت کے زمانے میں اہل الرائے ومشورہ اور مفتی کے منصبِ جلیلہ پر فائز رہے۔ آپؓ کی وفات ۱۹ھ کو ہوئی۔ اس موقع پر حضرت عمرؓ نے آپؓ کے متعلق فرمایا کہ: ''آج مسلمانوں کے سردار چل بسے۔''

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُبیؓ سے فرمایا تھا کہ: ''مجھے اللہ تعالیٰ نے سورۃُ البیّنہ تم کو سنانے کا حکم دیا ہے۔'' حکم صاف تھا، مگر فرطِ جوش میں آپؓ دوبارہ دریافت کرتے ہیں کہ: یارسول اللہ! کیا اللہ نے میرا نام لیا؟ تو آپؐ نے فرمایا: ''اللہ نے تمھارا نام لیا ہے۔'' بس آپؓ بے تاب ہو کر رونا شروع ہوگئے۔ آپؓ میں بہت جلد اخذ کرنے اور سیکھنے کی صلاحیت تھی۔ آپؓ اسلام لانے سے قبل ہی لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور کاتبینِ وحی میں سے تھے۔ حضور اقدسؐ کی زندگی میں ہی آپؓ حافظِ قرآن بنے۔ آپؓ قرآن حکیم کے ماہر اور اس کے علوم میں بلند درجہ رکھتے تھے۔ حضورؐ نے آپؓ کے متعلق فرمایا: ''میری اُمت کے سب سے بڑے قاری اُبیؓ (بن کعبؓ) ہیں۔'' آپؓ کا تہجد کے نوافل میں آٹھ راتوں میں ختمِ قرآن کرنے کا اہتمام تھا۔ آپؓ مدینہ کے اس مرکزِ رُشد کے امام تھے، جو مسجدِ نبویؐ میں حلقۂ علم ودرس تھا۔ انتہائی سادہ اور زاہدانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ علم سے ذاتی منفعت کا کبھی کوئی سامان جمع نہ کیا۔ آپؓ اپنے علمی شغف ومصروفیت اور قرآنی خدمات کے علاوہ حضور اقدسؐ کے ہمراہ ہر غزوہ میں شریک رہے۔

حضور اکرمؐ نے حضرت اُبیّ بن کعبؓ سے بہ طورِ امتحان پوچھا کہ: ''بڑی آیت کون سی ہے؟'' آپؓ احتراماً خاموش رہے۔ تیسری بار پوچھنے پر فرمایا کہ: ''آیتُ الکرسی۔'' تو آپؐ نے فرمایا کہ: ''آپ کو علم وشعور مبارک ہو۔'' حضور اکرمؐ سے ایک دفعہ نماز میں ایک آیت چھوٹ گئی تو حضرت اُبیؓ نے لقمہ دیا۔ بعد میں آپؐ نے پوچھا: ''کس نے لقمہ دیا؟'' تو حضرت اُبیؓ نے کہا: میں نے، تو آپؐ نے فرمایا کہ: ''مجھے بھی یہی خیال تھا۔'' آپؓ کے لیے نبی اکرمؐ نے دعا فرمائی کہ: ''اے اللہ! اس سے شیطانی وسوسہ دور کر دے۔''

حضرت اُبیّ بن کعبؓ صحابہ کرامؓ کو رمضان المبارک میں 20 رکعت نمازِ تراویح اور تین رکعت وتر پڑھاتے تھے۔ پس بہت سے علما کا یہ مسلک ہے کہ یہی سنت ہے۔ کیوں کہ حضرت اُبیّ بن کعبؓ نے مہاجرین و انصار کی موجودگی میں بیس رکعتیں پڑھائیں اور کسی بھی صحابیؓ نے اس پر نکیر نہیں فرمائی۔ آپؓ بہت عبادت گزار تھے، مگر جب لوگوں کو آپؓ کی ضرورت پڑتی تو آپؓ اپنی (نفل) عبادات چھوڑ دیتے اور لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کو ترجیح دیتے تھے۔

www.rahimia.org

شذرات

ریاستِ مدینہ اور ولی اللّٰہی فکر کا امتیاز

یہ ایک حقیقت ہے کہ پاکستان آزادی کے فوری بعد نہ صرف دنیا میں موجود دو دھڑوں میں سے سرمایہ دار بلاک کا حصہ بنا، بلکہ اس نے بہ طور سیاسی و معاشی نظام کے کیپٹل اِزم کو ریاست کے نظام کے طور پر اپنا بھی لیا۔ اب یہاں مختلف جماعتوں نے اسلام کے ساتھ اپنے من پسند لاحقے اور سابقے لگا کر اسلام پسند مسلمانوں کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا جیسے اسلامی سوشلزم، اسلامی جمہوریت، اسلامی انقلاب، بلکہ ایک دور میں تو مارشل لاء کو بھی اسلامی جواز بخشنے کے لیے ایک فوجی آمر کی تائید کی گئی تھی۔ چناں چہ ایک مدرسے کے شیخ الحدیث نے اسلامی تاریخ میں پہلے مارشل لاء کی نسبت حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرف کی تھی، تا کہ ملک میں موجود فوجی آمریت کے لیے اسلامیانِ پاکستان کے ہاں راستہ ہموار کیا جا سکے۔

موجودہ حکومت نے سابقہ حکمران جماعتوں کی بے پناہ کرپشن کے نتیجے میں پاکستان میں بڑھتے ہوئے معاشی بحران کے آگے بند باندھنے کے لیے جو سخت اقدامات کیے ہیں، وہ ریاست کے وجود کو بچانے کے لیے ضروری تھے، لیکن اس سے یہ دھوکہ نہیں کھانا چاہیے کہ آج سے ملک سے سرمایہ داری کی جڑ کاٹ دی گئی ہے اور دوبارہ اس کے برگ و بار نہیں نکلیں گے۔ جیسا کہ حکومت ایک نئے سلوگن ''ریاستِ مدینہ'' کو بڑے تسلسل کے ساتھ استعمال کر کے یہ تأثر دے رہی ہے اور آہستہ آہستہ کچھ مذہبی آوازیں بھی ان کی ہم نوا ہوتی چلی جا رہی ہیں اور یوں پاکستانی قوم کے لیے ''ٹرک کی ایک نئی بتی'' تخلیق کرنے کا عمل جاری ہے۔

پاکستان کی گزشتہ تاریخ سے یہ تلخ حقیقت جاننا بالکل بھی مشکل امر نہیں ہے کہ یہاں یہ ساری تحریکیں ردِ سرمایہ داریت (Anti-capitalistic) کی کسی کوشش کے بغیر چلائی گئی ہیں، بلکہ یہاں تو اسلام کے نام پر اشتراکیت کے خلاف چلائی جانے والی تحریک میں بھی ردِ سرمایہ داریت کا عنصر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتا تھا۔ جس سے یہ سمجھنا مشکل نہ تھا کہ سرمایہ دار بلاک اپنے حریف کو شکست دینے کے لیے اسلام کے نام کو اپنے حق میں استعمال کرنے کی حکمتِ عملی پر عمل پیرا رہا ہے۔

یہاں اسلامی نظام کی تحریک کے دعوے داروں نے کبھی بھی سرمایہ داری کو اپنا ہدف بنا کر کوئی ایسی تحریک نہیں چلائی، جس سے جاگیردار اور سرمایہ دار طبقوں کی سیاست و معیشت پر گرفت کمزور ہو جاتی اور عوام کو درپیش اقتصادی و معاشرتی مسائل کو حل کرنے میں مدد ملتی، بلکہ مزعومہ اسلامی انقلاب کے سیاسی داعی نے پچاس کی دہائی میں ''مسئلہ ملکیتِ زمین'' نامی کتاب میں اپنے مزعومہ خیالات کے مطابق قرآن و سنت سے زمین کی لامحدود ملکیت کے حق کو ناقابلِ تنسیخ قرار دیا تھا، اور یوں مغربی پاکستان میں پائے جانے والے جاگیردار طبقوں کے تحفظ کی خدمت سرانجام دی گئی۔ ملک میں سرمایہ دارانہ نظام کی موجودگی میں اس نظام کے ساتھ اسلام کی کسی بھی نام سے پیوندکاری محض ایک فریب ہے، چاہے وہ ریاست کی آڑ میں حکمران طبقہ کرے یا کوئی نام نہاد اسلامی دانشور۔ جیسے ماضی میں یہاں اسلام کے نام سے دھوکہ دیا جاتا رہا ہے، اب ایک نئے نام ''ریاستِ مدینہ'' کے نام سے لوگوں کو بہلایا جائے گا۔ اس حوالے سے اس مغالطے کو دور کر لینا انتہائی اہم ہے کہ سرمایہ داری کی کسی شکل کو اسلام میں قبولیت کا راستہ دیا جا سکتا ہے۔

ولی اللّٰہی فکر سرمایہ داری کو کسی بھی شکل میں قبول نہیں کرتا اور اس کے مفکرین کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنے فکر میں بالکل واضح ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ولی اللّٰہی فکر اپنے طالبِ علموں کو کہیں بھی فکری تلبیس اور نظریاتی دھوکے کا شکار نہیں ہونے دیتا۔ اسلام کی اجتماعی حکومت کا نظریہ ہو، یا ریاستِ مدینہ کا نظام، ولی اللّٰہی لٹریچر میں اس پر دوٹوک رہنمائی موجود ہے کہ وہ کن اصول و مبادی پر قائم ہوتا ہے اور اس کی بنیادی روح اور پیغام کیا ہے۔

چناں چہ امام عبیداللہ سندھیؒ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نبوت سے تحریکِ حنیفیت کے جن بنیادی اصولوں کی نشان دہی کرتے ہیں، ان میں توحید یعنی ایک خدا کی عبادت اور سرمایہ شکنی (Anti-capitalist) ہے۔ وہ ان اصولوں کو انسانیت کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔ وہ قرآن کو سرمایہ شکن نظریے کی حامل کتاب قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: ''اب جب کہ دنیا کے کسی خطے میں بھی سرمایہ شکن خدا پرست طاقت برسرِ اقتدار نہیں ہے، ضروری ہے اور انسانیت کا طبعی تقاضا ہے کہ سرمایہ شکنی اور خدا پرستی کے مجموعی پروگرام پر انقلاب برپا ہو۔'' وہ کہتے ہیں کہ: ''قرآن حکیم جس انقلاب کی طرف دعوت دیتا ہے، وہ ساری انسانی نوع کے لیے مفید ہے۔ اور آج بھی جب انسانی سوسائٹی رأسمالی (Capitalist) اور غیر رأسمالی (Anti-capitalist) کیمپوں میں بٹی ہوئی ہے، قرآن کریم ہی کی تعلیم صحیح معاشیات پیدا کر کے پائیدار امن پیدا کر سکتی ہے، تا کہ اسلام کا مکمل نظام دنیا میں نافذ ہو۔''

وہ حکومت و نظام کی دو بنیادیں واضح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ: ''حکمتِ ولی اللّٰہی کے مطابق اس کا مطلب یہ ہے کہ حکومت اجتماعی (Social) ہوگی اور مشورے سے کام کرے گی۔ اور غیر رأسمالی (Anti-capitalist) ہوگی اور لوگوں کو اس بات کی ہرگز اجازت نہ دی جائے گی کہ وہ دوبارہ رأسمالیت یا سرمایہ داری (Capitalism) پیدا کر لیں۔'' کسی بھی دور میں سرمایہ داری سے اسلامی فکر کو محفوظ رکھنے کی حکمتِ عملی بیان کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے کہ: ''دوسرے درجے کا قانون (Law) مکمل کرتے وقت اس بات کا خیال رکھا جائے گا کہ جب حکومت دیکھے کہ لوگوں نے قانون کی صورت قائم رکھتے ہوئے رأسمالیت یا سرمایہ داری (Capitalism) پیدا کرنی شروع کر دی ہے تو وہ نیا سرمایہ شکن (Anti-capitalist) قانون بنا دے۔'' (اقتباسات از قرآنی شعورِ انقلاب)

پاکستان میں ریاستِ مدینہ کے نظام کو اپنانے کا لازمی نتیجہ سرمایہ داری سے نجات ہونا چاہیے۔ سرمایہ داری کا بُت توڑے بغیر یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے گا۔ ریاستِ مدینہ اور اسلام کی اجتماعی حکومت کی سب سے نمایاں خوبی ردِ سرمایہ داریت ہے۔ اگر یہ ہے تو ٹھیک ؎

گر یہ نہیں تو بابا پھر سب کہانیاں ہیں

(مدیر)

www.rahimia.org

ارتفاقِ دوم: فنِ مُعاشیات اور اُس کے تقاضے

مترجم: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ "حُجّةُ اللّٰهِ البالِغه" میں فرماتے ہیں:

(5) (باہمی گفتگو اور مکالمے کے متفقہ امور) ہر وہ انسان جو صحیح مزاج اور ذوقِ سلیم رکھتا ہو، وہ اپنی گفتگو میں ضرور اس بات کا لحاظ رکھتا ہے کہ وہ کوئی بے ہودہ لفظ اپنی زبان سے نہ نکالے۔ نہ کوئی ایسا لفظ ادا کرے، جس کی ادائیگی بہت مشکل ہو۔ نہ ایسے جملے بولے، جن کی ساخت صحیح اور درست نہ ہو۔ وہ اپنی گفتگو میں ایسا اسلوب اختیار کرے کہ سننے والے اُس کی طرف متوجہ ہوں۔ لوگوں کا دلی میلان ایسی عمدہ گفتگو کی طرف ہو۔ بہترین اسلوب پر گفتگو کرنے والا فصاحت و بلاغت اور زبان و ادب کے لیے ایک معیار اور میزان کی حیثیت رکھتا ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ معاشیات کے ہر باب کے یہ تمام معاشی مسائل مختلف ممالک میں رہنے والوں کے درمیان تسلیم شدہ اور متفقہ ہیں۔ اگرچہ اُن ممالک کے درمیان دور دراز کے فاصلے ہی کیوں نہ ہوں۔ معاشی مسائل کے ان بنیادی قواعد پر تمام لوگوں کے اتفاق کے بعد عملی نظام قائم کرنے میں اُن کے درمیان حسبِ ذیل اختلاف پایا جاتا ہے:

(1) علمِ طبیعیات اور مادی امور پر یقین رکھنے والے لوگ علمِ طب وغیرہ (دیگر مادی معلومات) کی روشنی میں اپنے معاشی طور طریقوں کو اختیار کرتے ہیں۔

(2) علمِ نجوم (اور فلکیات) پر یقین رکھنے والے ستاروں کے خواص اور اُن کے اثرات کی روشنی میں ان قاعدوں کا عملی نظام بناتے ہیں۔

(3) علمِ الٰہیات پر یقین رکھنے والے صفتِ "احسان" (اللہ کے ساتھ تعلق) اور دینِ اسلام کی تعلیمات کو سامنے رکھ کر اپنے معاشی امور کی تکمیل کرتے ہیں۔

چناں چہ ان تینوں افکار و خیالات کے ماننے والوں کی کتابوں میں (اپنے اپنے تصورات و خیالات کے مطابق) معاشی احتیاجات کی تسکین کے امور تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔ یہ یاد رہے کہ ہر ایک قوم کا ایک ظاہری لباس (تہذیب و ثقافت کا طریقۂ کار) ہوتا ہے اور اُن کے عملی نظام کے آداب ہوتے ہیں، جس سے وہ ایک دوسرے سے الگ اور ممتاز ہوتے ہیں۔ اس کا سبب اُن لوگوں کے مزاج اور عادات وغیرہ کا مختلف ہونا ہے۔" (باب فن آداب المعاش، مبحث الارتفاقات)

خاندانی اور گھریلو نظام

خاندانی نظام ایک ایسی حکمتِ عملی کے تحت قائم ہوتا ہے کہ جس میں ارتفاقِ دوم کی سطح پر ایک گھر میں رہنے والے افراد کے درمیان پائے جانے والے رشتوں اور تعلق کی حفاظت کی کیفیت پر بحث کی جاتی ہے۔ خاندانی نظام کی درج ذیل چار بنیادیں ہیں:

(۱) معاہدۂ نکاح (۲) اولاد (۳) گھریلو ملازمین (۴) معاشرت

(۱) **[نکاح کی ضرورت]** اس سلسلے میں اصولی بات یہ ہے کہ جنسی خواہشات کی ضرورت اور حاجت مرد اور عورت کے درمیان ایک دوسرے کے ساتھ اکٹھے رہنے اور باہمی تعلق کا تقاضا کرتی ہے۔ پھر ان کی پیدا ہونے والی اولاد کی وَجہ سے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ اُس کی پرورش کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں۔

ان میں سے عورت طبعی طور پر بچے کی پرورش اور نگہداشت میں (جز بینی کی وَجہ سے) زیادہ سمجھ دار ہوتی ہے، جب کہ (کلی اُمور کے حوالے سے) عقلی طور پر ذرا کمزور ہوتی ہے۔ وہ عام طور پر مرد کے مقابلے میں مشقت کے عملی کاموں سے گھبراتی ہے۔ وہ زیادہ شرم و حیا کی حامل اور گھر میں رہنے کو ترجیح دیتی ہے۔ گھر کے چھوٹے چھوٹے اور جزوی امور کو سرانجام دینے میں بڑی ماہر ہوتی ہے۔ وہ نظم و ضبط اور ڈسپلن کو قبول کرنے کے حوالے سے اپنے اندر ایک وافر حصہ رکھتی ہے۔

ان میں سے مرد عقلی حوالے سے کلی اُمور میں زیادہ بہتر رائے رکھتا ہے۔ خاندان کی عزت کے دفاع میں زیادہ شدت کے ساتھ کردار ادا کرتا ہے۔ عملی مشقت کے کاموں کو سرانجام دینے میں زیادہ جرأت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اپنے خاندان کی عزت اور دوسروں کے مقابلے میں رعب و دبدبہ اور غیرت وغیرہ میں زیادہ کامل اور مکمل ہوتا ہے۔

اس طرح مرد اور عورت ایک دوسرے کے بغیر مکمل نہیں ہوتے اور وہ دونوں ایک دوسرے کے محتاج ہوتے ہیں۔

[معاہدۂ نکاح کی اہمیت] ایک طرف مردوں کا عورتوں کی طرف مزاحمتی میلان ہوتا ہے، دوسری طرف خاندانی سربراہوں کا اپنی عورتوں پر غیرت اور عزت کا معاملہ غالب ہوتا ہے۔ یہ حالت تقاضا کرتی ہے کہ معاشرہ اُس وقت تک درست نہیں ہو سکتا، جب تک کہ لوگوں کے سامنے کسی عورت کا کسی مخصوص مرد کے ساتھ معاہدۂ نکاح نہ ہو جائے۔ چوں کہ عورت اپنے خاندان میں ایک عزت رکھتی ہے اور مرد عورت میں اپنی رغبت کا اظہار کرتا ہے، اس لیے معاہدۂ نکاح میں درجِ ذیل امور لازمی ٹھہرے:

(1) مرد کی طرف سے عورت کے لیے منگنی کے پیغام کا دیا جانا

(2) اس موقع پر عورت کے لیے مہر کا مقرر ہونا

(3) عورت کے ولی اور خاندان کی آمادگی اور رضامندی کا ہونا

[محرماتِ نکاح] اگر مَحرَم عورتوں کے ساتھ خاندانی مردوں کی رغبت کا دروازہ کھول دیا جاتا تو اس سے ان عورتوں کے لیے بہت بڑا نقصان یہ ہوگا کہ وہ عورت جس مرد سے شادی کی رغبت ظاہر کرے تو وہ ولی اس کو شادی نہیں کرنے دے گا اور یہ کہ اُس کی طرف سے حقوقِ زوجیت ادا کرنے کا مطالبہ کرنے والا کوئی نہیں رہے گا، حال آں کہ اسی ضرورت کے لیے تو نکاح کیا جا رہا ہے۔ نیز ایسی صورت میں سوکنوں کے جھگڑوں کی وَجہ سے خونی رشتوں میں خرابیاں پیدا ہو جاتی۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ہے کہ انسان کے مزاج کی سلامتی تقاضا کرتی ہے کہ وہ اُس عورت سے شادی نہ کرے، جس سے وہ پیدا ہوا ہے (یعنی ماں)، یا وہ عورت جو اس سے پیدا ہوئی ہے (یعنی بیٹی)، یا وہ عورت جو اُس کے ساتھ ایک ہی شاخ کی دو ٹہنیوں کی حیثیت رکھتی ہے (یعنی بہن)۔"

(باب تدبیر المنزل)　　(جاری ہے۔)

www.rahimia.org

تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات

مفتی عبدالقدیر، چشتیاں

سلطان علاؤالدین خلجی کا معاشی فلاح کا پروگرام

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ہندوستان میں قومی شاہی دور کے سلاطین میں خلجی خاندان کے دوسرے سلطان' سلطان علاؤالدین خلجی اپنے دربار میں اکیلے بیٹھے ہیں۔ ننگے سر اور انتہائی پریشان۔ دربار کا ایک امیر اندر آنے کی اجازت لیتا ہے۔ کوئی جواب نہ پا کر وہ خود بادشاہ خلجی کے سامنے آ کر بیٹھ جاتا ہے۔ بادشاہ کو اس کی آمد کا کوئی اندازہ نہیں۔ امیر کچھ دیر بیٹھا رہتا ہے، لیکن پریشانی دیکھ کر کوئی بات نہیں کرتا اور باہر چلا جاتا ہے اور ایک گورنر کو جا کر احوال بتاتا ہے کہ بادشاہ خلجی کو کیا ہوا ہے۔ دونوں کچھ دیر بعد اندر جاتے ہیں۔ بادشاہ کچھ مطمئن بیٹھے ہیں۔ دونوں عرض کرتے ہیں کہ بادشاہ کو کیا پریشانی لاحق ہے؟ ہمیں بتایئے کہ ہم کوئی مداوا کرسکیں؟

بادشاہ گویا ہوئے کہ میں اس سوچ میں غلطاں تھا کہ اللہ نے مجھے اس قوم اور خطے پر حاکم بنایا ہے، اب اس قوم کی فلاح و بہبود میرے ذمہ ہے۔ میں یہ سوچ سوچ کر پریشان تھا کہ ایسا کیا کِیا جائے کہ میں اپنی قوم کی مسلسل فلاح کا باعث بنوں اور ان کے مسائل حل کر پاؤں؟ سوچا کہ تمام شاہی خزانہ اور ذاتی جاگیر بھی عوام میں بانٹ دوں تو بھی وہ زیادہ دیر خوش حال نہیں رہ سکتے۔ چند دنوں سے اس خیال نے میرے دماغ کو جکڑ رکھا ہے، لیکن اب میں نے اس کا حل نکال لیا ہے۔ پوری سلطنت میں اجناس کے تمام بڑے تاجروں اور کسانوں کو مرکز میں بلا کر سلطنت کی طرف سے خلعت و انعام اور اس کے گھر کا پورے سال کا خرچہ ادا کیا جائے، لیکن اس کے عوض وہ میرے طے کیے ہوئے نرخ پر اجناس بیچیں گے۔ اس طرح سے میں عوام کی فلاح و بہبود کا باعث بن سکتا ہوں۔

علاؤالدین خلجی کے اس اقدام کے نتیجے میں خزانہ بھی زیادہ خرچ نہ ہوا اور سبسڈی و پرائس کنٹرول کا ایسا نظام متعارف کروایا کہ علاؤالدین خلجی کے 24 سالہ دور میں پورے ہندوستان میں اجناس کی قیمتیں نہ بڑھیں۔ اس کے نتیجے میں ہندوستان کے باشندوں کا معیارِ زندگی بہت زیادہ بلند ہوا اور کم روپے پیسے والے بھی عزت و توقیر کے حق دار ٹھہرے۔ اس کے علاوہ پورے ہندوستان سے تاجر اور کسان بادشاہ سے خلعت و انعام لینے کے شوق سے مرکز آنے لگے اور بادشاہ کو مارکیٹ کی تازہ معلومات بھی ملتی رہتیں۔

اس تاریخی واقعے سے درج ذیل سیاسی و معاشی اسباق ملتے ہیں:

1۔ عوام کی آسودگی اور خوش حالی کا قیام حکمرانوں کے فرائض اور ذمہ داریوں میں سب سے اہم ہے۔

2۔ دور کے تقاضوں کے مطابق حکمرانوں کو اس ذمہ داری کو پورا کرنے کی حکمتِ عملی بنانی چاہیے کہ: (۱) ذخیرہ اندوزی پیدا نہ ہوسکے۔ قیمتوں میں ایسا کنٹرولڈ نظام ہو، جس سے سب خوش حال ہوں۔ (۲) دولت کی گردش تمام طبقات میں مساوی طور پر جاری رہے۔ (۳) ملکی پیداوار میں حصہ لینے والوں کی حوصلہ افزائی اور انعام و اکرام کی حکمتِ عملی ان کی ہمت بڑھانے میں ممد و معاون ہوتی ہے۔

مُلکی معیشت

محمد کاشف شریف، راولپنڈی

پاکستان کی معیشت یا سرمایہ داروں کا میدانِ جنگ

قیامِ پاکستان سے آج تک ہماری قوم نعروں کی بنیاد پر اپنی زندگیوں کا تعین کرتی رہی ہے اور ہمارے اس مزاج میں ذرہ بھر فرق نہیں پڑا، حال آں کہ سوشل میڈیا کی صورت میں معلومات کا ایک بہاؤ ہے، جو خبر بننے کے دوران ہی پورے پاکستان میں پھیل جاتا ہے۔ 1997ء میں مسلم لیگ (ن) کی حکومت دو تہائی اکثریت سے بنی۔ ان دنوں راقم الحروف یونیورسٹی میں طالبِ علم تھا۔ ہمارے معاشیات کے پروفیسر نے مستقبل کے بارے میں تمام شرکا کی آرا لیں۔ جواب میں قریباً 90 فی صد نے کہا کہ قومی معیشت بہتر ہوگی۔ کیوں کہ ایک صنعت کار پارٹی کی حکومت ہے اور سٹاک ایکسچینج بھی بڑھتی جا رہی ہے۔ ڈالر بھی کم ہو کر 40 روپے پر آ گیا ہے اور تجارتی خسارہ 3 ارب سے کم ہو کر 1.8 ارب ڈالر تک آ گیا ہے۔ اسٹیٹ بینک کے پاس قریباً 2 ارب ڈالرز پڑے ہیں، جو معیشت کے استحکام کے لیے مناسب ہیں وغیرہ وغیرہ۔ ہماری اس تشریح پر پروفیسر صاحب بھی ہمارے ساتھ یک زبان ہو کر وہی گن گانے لگے، جو اُس وقت کا مقامی اور بین الاقوامی میڈیا گا رہا تھا، لیکن پھر کیا ہوا؟ اس تاریخ سے سب واقف ہیں۔ اگلے تین سالوں میں گویا ملک دیوالیہ ہوگیا۔ اس کے بعد قوم پھر ایک نعرے کے پیچھے اُٹھ کھڑی ہوئی اور وہ عدلیہ کی آزادی تھا۔ اس نعرے کی پیروی میں قوم ایسی لگی کہ گزشتہ پانچ سالوں کی نسبتاً بہتر معاشی کارکردگی کو پس پشت ڈال دیا گیا اور ملک کو ایک بار پھر سیاسی عدمِ استحکام سے دوچار کر دیا گیا۔

معاملہ یہاں نہیں رُکا۔ چناں چہ ایک واقعے اور نعرے نے ملکی باگ ڈور نام نہاد حقیقی عوامی نمائندوں کے ہاتھ میں دے دی۔ اُس عوامی حکومت نے معاشی ترقی کے نام پر لوٹ مار کی ایک نئی داستان رقم کی اور اپنی باری پوری کی۔ بعدازاں پھر وہی معاشی ترقی، تجربہ کار قیادت کے نعرے نے قوم میں ایک نئی روح پھونک دی۔ کیا میڈیا، کیا عوام، سب نے مل کر اس نعرے کے مصداق مسلم لیگ (ن) کو ایک بھرپور موقع دیا۔ اور اس دفعہ تو لوٹ مار کے ریکارڈ توڑ دیے گئے۔ یوں قوم کو ایک نئے نعرے کی ضرورت آن پڑی اور تبدیلی اور احتساب کا نیا نعرہ لگا دیا گیا۔ قوم نے پھر لبیک کہا اور تبدیلی سرکار بروئے کار آئی۔

اس سارے عمل میں غور کیا جائے تو حکمران ٹرائیکا، جس میں سرمایہ دار، جاگیردار اور افسر شاہی کے باہم مقابل گروپس ہیں، جو پارٹیاں بدل بدل کر ایک دوسرے کو نیچا دکھاتے رہتے ہیں اور اس میں اپنے مقصد کو پانے کے لیے بین الاقوامی آقاؤں سے بھی مدد لی جاتی ہے۔ چناں چہ نئی حکومت بننے کے ساتھ ہی کھینچا تانی کا منظر واضح ہوتا جا رہا ہے۔ سٹاک ایکسچینج کا غیر معمولی اُتار چڑھاؤ، ڈالر کی قدر میں اضافہ اور غیر یقینی کی صورت حال اور دہشت گردی کی ایک نئی لہر، گزشتہ دس سالوں کے دوران حکومت کرنے والی اشرافیہ کے خلاف مالی بدعنوانی پر مبنی مقدمات اور سب سے اہم میڈیا میں بے چینی' یہ سب دراصل ان گروپوں میں وسائل پر اجارہ داری کی جنگ ہے، جس کی ابتدا ہوچکی ہے۔ اس میں عوام کا کچھ حصہ نہیں ہے۔ ہاں! کچھ بچا کھچا مل گیا تو جمہوریت زندہ باد۔

www.rahimia.org

مشرقِ وسطیٰ کا نیا منظرنامہ

مرزا محمد رمضان، راولپنڈی

مشرقِ وسطیٰ کی تشکیل کا ایک اہم حصہ جزیرۃ العرب ہے، جس کا نقشہ سب سے پہلے ایک جرمن پبلشر کرسٹوف ویجل (Christoph Weigel) نے 1720ء میں شائع کیا۔ دوسرا حصہ بحیرۂ روم کا مشرقی کنارہ، جسے چڑھتے ہوئے سورج کی سرزمین لیونٹ (LEVANT) کہتے ہیں، جسے فرانسیسیوں نے پندرہویں صدی عیسوی میں اپنے شامی مقبوضہ جات کے لیے استعمال کیا تھا۔ اور تیسرا حصہ ایران ہے۔ جزیرۃ العرب آج سات ممالک پر مشتمل ہے، جن میں یمن، عمان، متحدہ عرب امارات، بحرین، کویت، قطر اور سعودی عرب شامل ہیں۔ ان تمام ممالک کا کل رقبہ 32 لاکھ 37 ہزار 5 سو مربع کلومیٹر ہے۔ چڑھتے ہوئے سورج کی سرزمین رائزنگ سن (RisingSun) میں سائپرس، ترکی، شام، عراق، اُردن، فلسطین، اسرائیل، لبنان، غزہ کی پٹی اور مصر شامل ہیں، جن کا کل رقبہ 26 لاکھ 36 ہزار 6 سو 16 مربع کلومیٹر ہے۔ اور تیسرا اہم ترین حصہ آج کا ایران ہے، جس کا کل رقبہ 16 لاکھ 48 ہزار مربع کلومیٹر ہے۔

مشرقِ وسطیٰ کے یہ تمام ممالک خلافتِ عثمانیہ کے زمانے میں تقریباً ایک ہی ملک کی حیثیت رکھتے تھے، لیکن سامراج کے تسلط کے زمانے میں اس خطے کو درجِ بالا ممالک میں تقسیم کردیا گیا اور پھر جزیرۃ العرب سے متعلق تمام ممالک میں یورپین دور کا پرانا بادشاہی اور جاگیردارانہ سماج قائم کیا گیا، جہاں تمام فیصلے فردِ واحد کی منشا اور مرضی سے ہوتے ہیں۔ ان ملکوں میں بنائے گئے بادشاہ تمام وسائل کو اپنی ملکیت سمجھتے ہیں۔ یہاں پر عوام کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ ریاستی معاملات میں عوام کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ ان ممالک میں موجود بادشاہتیں آج ہمیں یورپ کی نشاۃِ ثانیہ، یعنی تیرہویں صدی عیسوی سے قبل کے یورپین شہنشاہوں کے دور کی یاد دلاتی ہیں۔ اسی خطے کا دوسرا اہم حصہ، یعنی وہ تمام علاقہ جات، جو بحیرۂ روم کے مشرقی کنارے پر واقع ہیں، جنھیں چڑھتے ہوئے سورج کی سرزمین کہتے ہیں، اس پورے علاقے میں موجود ممالک کی کیمسٹری ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ مثلاً ترکی، جہاں حال ہی میں انتخابات کے نتیجے میں طیب اردگان کی حکومت قائم ہوئی ہے۔ گویا وہاں جدید سیاسی نظامِ حکومت 'جمہوریت' قائم ہے۔ اس کے ساتھ شام ہے، جو گزشتہ 8 سالوں سے سامراجی قوتوں کے مقابلے میں نبرد آزما ہے۔ وہ ظالم قوتوں کے خلاف فیصلہ کن جنگ لڑ رہا ہے۔ تشدد کا نظریہ رکھنے والی طاقتوں کو شکست سے دوچار کیا ہے۔ اس سارے عمل میں اپنے نظریے کی طاقت کا لوہا منوایا ہے۔ اسرائیل ظالم حکومتوں کی پشت پناہی سے ارضِ فلسطین پر غاصبانہ قبضہ جمائے ہوئے ہے، جسے قائم رکھنے کے لیے پورے خطے میں خوف و ہراس پھیلایا گیا۔

1949ء سے اسرائیلی ریاست کے وجود سے پورا مشرقِ وسطیٰ عدمِ استحکام کا شکار ہے۔ شامی گولان کی پہاڑیاں ہوں یا دریائے اردن کا مغربی کنارہ، بے گھر کیے گئے فلسطینیوں کے کیمپس ہوں یا ارضِ فلسطین پر اسرائیل کی ناجائز اور غیر قانونی بستیاں، بیروت میں لگائی گئی آگ ہو یا غزہ کی پٹی میں کھیلی گئی آگ اور خون کی ہولی، یہ سب سرد جنگ کے دور کی باقیات ہیں، جس کے پیچھے کسی نہ کسی طریقے سے اسرائیل کا کردار رہا ہے۔ اسی خطے کا تیسرا اہم فریق ایران ہے۔ ایران میں قومی انقلاب کا ہنگامہ 7؍جنوری 1978ء کو شروع ہو کر 11؍فروری 1979ء کو مکمل ہوا۔ سامراجی قوتوں نے ساتھ ہی ایرانی انقلاب کو تباہ و برباد کرنے کے لیے سازشیں شروع کردیں۔ پہلے اس پر آٹھ سال تک جنگ مسلط کی گئی، جو 22؍ستمبر 1980ء کو شروع ہوئی اور اقوام متحدہ کے سیز فائر کے حکم سے 20؍اگست 1988ء کو اس کا اختتام ہوا۔ ابھی اس آگ کے گولے ٹھنڈے نہیں ہوئے تھے کہ ساتھ ہی اس کے خلاف نفرت کے بیج بونے کے لیے اس پر شیعہ فرقہ پرستی کی چھاپ لگادی گئی، تاکہ خطے میں اس کے مثبت اثرات کو پھیلنے سے روکا جاسکے۔ اندرونِ ملک ایرانی عوام میں اس کے خلاف نفرت پیدا کرنے کے لیے اقتصادی پابندیاں عائد کردی گئیں۔ ایرانی انقلاب نے ان تمام رُکاوٹوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ظالم قوتوں کے تمام اوچھے ہتھکنڈے بُری طرح ناکام بنادیے۔

مشرقِ وسطیٰ اپنی جغرافیائی اہمیت کے پیشِ نظر ہمیشہ سے عالمی طاقتوں کی پالیسیوں کا مرکز رہا ہے۔ ہر اُبھرتی ہوئی قوت نے پہلے پہل یہیں اپنی طاقت کا لوہا منوانے کی کوشش کی ہے۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد ''عرب لیگ'' کے نام سے ایک ادارہ 22؍مارچ 1945ء کو مصر کے دارالحکومت قاہرہ میں قائم کیا گیا، جس کا مقصد خطے میں موجود تمام ممالک کو اکٹھا کرکے انھیں سامراج کے حق میں استعمال کرنا تھا۔ اسی طرح 1967ء میں فلسطینی علاقوں پر اسرائیل کے قبضے کے خلاف عالمِ اسلام میں پائی جانے والی نفرت کے تدارُک کے لیے 25؍ستمبر 1969ء کو او آئی سی ''اسلامی کانفرنس تنظیم'' کے نام سے مراکو کے شہر رباط میں قائم کی گئی۔ 25؍مئی 1981ء کو جی سی سی کے نام سے ایک گروپ تشکیل دے کر خطے میں سامراج مخالف قوتوں کے خاتمے کے لیے تشدد پسند جتھے پیدا کرنے کے لیے وسائل کی فراہمی کا بندوبست کیا گیا۔ آخر میں سابق امریکی صدر نکسن اپنی کتاب ''فتح بغیر جنگ 1999ء'' میں لکھتا ہے کہ: ''ہم نے اس صدی کے اختتام تک بے شمار کامیابیاں حاصل کی ہیں، البتہ دو چیزیں ہماری دسترس سے باہر ہیں: ایک انسانی سوچ اور دوسرا بلڈ پریشر اور شوگر کا علاج۔''

دنیا سے سرد جنگ کا دور ختم ہونے جارہا ہے۔ پُرتشدد قوتوں کی شکست سے عدمِ تشدد کی حامل طاقتوں کے فروغ کے لیے راستے ہموار ہو رہے ہیں۔ مشرقِ وسطیٰ میں عدمِ تشدد کی بنیاد پر نیا علاقائی اتحاد وضع ہوگا۔ ایسے تمام ممالک اور ادارے، جو خطے میں پُرتشدد قوتوں کی تقویت کا سامان کیا کرتے تھے اور آج بھی اسی نہج پر قائم ہیں، اگلے دور میں وہ بے وقعت ہو کر رہ جائیں گے۔ دنیا میں بیداری کی ایک نئی لہر پیدا ہو رہی ہے، جس کی ایک جھلک مشرقِ وسطیٰ میں ایسی تمام قوتوں کی عبرت ناک شکست ہے۔ وہ ممالک اور ادارے جو جدوجہد کے نتیجے میں اپنا وجود برقرار رکھنے میں کامیاب ہوں گے، وہی مشرقِ وسطیٰ کے نئے منظرنامے میں نمایاں کردار کے حامل ہوں گے۔

www.rahimia.org

خطبات و بیانات

رپورٹ: سیّدنفیس مبارک ہمدانی، لاہور

سیرتِ مقدسہ کا اہم ترین پہلو: اجتماعیت

14/ دسمبر 2018ء کو حضرت اقدس مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے ادارہ رحیمیہ لاہور میں جمعۃ المبارک کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''معزز دوستو! انسانی سماج کی درست تشکیل حضور اقدسؐ کی سیرتِ مقدسہ کا بہت اہم ترین پہلو ہے۔ آپؐ کی ذاتِ گرامی نے اجتماعیت کی تشکیل کے لیے جو فیصلے فرمائے، وہ رہتی دنیا تک نمونہ اور معیار رہیں گے۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ نبی اکرمؐ کی بعثت ارتفاقات، بالخصوص ارتفاقِ رابع (بین الاقوامی نظام کے قیام) کی تکمیل کے لیے ہوئی ہے۔ ارتفاقات کا پورا دائرہ اجتماعیت سے عبارت ہے کہ انسان اپنے اجتماع میں تمام تر معاہدات کے حوالے سے اپنے امور کیسے سرانجام دے؟ نبی اکرمؐ نے فرد سے زیادہ سماج کی اجتماعیت پر زور دیا ہے۔ مکہ مکرمہ میں قبل از اسلام کے دور سے لے کر دنیا سے تشریف لے جانے تک آپؐ نے ہر کام میں لوگوں کی شرکت اور اجتماعیت کو یقینی بنایا ہے۔ حجرِ اسود نصب کرنے کا معاملہ ہو یا فتح مکہ کے بعد مشرکین مکہ کے ساتھ کیے جانے والے معاہدات کا معاملہ ہو۔ ہر ایک پہلو میں آپؐ کے پیشِ نظر سماجی اور اجتماعی تقاضے رہے ہیں۔ باوجود اس بات کے کہ حضور اقدسؐ کی ذاتِ گرامی اتنی بلند و بالاتر ہے کہ آپؐ اگر انفرادی اور ذاتی طور پر بھی کسی کام کا حکم دیں تو آپؐ کے لیے یہ سزاوار ہے۔ آپؐ اس کے مستحق ہیں۔ ایک تو نبی اور نبی بھی امام الانبیاء ہیں، اور ذاتِ گرامی ایسی کہ جس کی وَجہ سے یہ پوری کائنات پیدا کی گئی ہے۔ ''لولاکَ لَما خلقتُ الأفلاک.'' حضورؐ نہ ہوتے تو یہ کائنات ہی پیدا نہ ہوتی۔ اس کے باوجود وہ امور جن کا تعلق اجتماعیت اور سماج کے اجتماعی تقاضوں کی تکمیل سے ہے، وہ آپؐ نے بہ طورِ نمونہ کے، انسانیت کو طریقۂ کار سکھانے کے لیے اجتماعی طور پر سرانجام دیے۔

قبل از بعثت خانۂ کعبہ میں حجرِ اسود کے نصب کا جھگڑا عروج پر پہنچتا ہے تو فیصلہ ہوتا ہے کہ جو شخص صبح کو سب سے پہلے حرم میں داخل ہوگا، وہ حجرِ اسود نصب کرے گا۔ اجتماع کے فیصلے سے بھی حضورؐ کی ذاتِ گرامی کو اکیلے حجرِ اسود نصب کرنے کا اختیار مل گیا اور تمام قبائل اس پر متفق ہوگئے، لیکن آپؐ نے اس کام کو بھی اجتماعی طور پر سرانجام دیا۔ اپنی چادر مبارک بچھائی اور تمام قبیلوں کے سرداروں سے کہا کہ سب لوگ اس چادر کو پکڑ کر حجرِ اسود کو اٹھا کر خانۂ کعبہ کے قریب لے آئیں، تاکہ سب کی شرکت ہو جائے۔ اور جب حجرِ اسود خانۂ کعبہ کے قریب پہنچ گیا تو ظاہر ہے اُسے ایک آدمی نے نصب کرنا تھا۔ وہاں اجتماعیت بھی اس درجے میں ممکن نہیں تھی کہ سب ہی اسے ہاتھ لگائیں۔ تو آپؐ نے اُٹھا کر اُسے نصب کر دیا۔ مشرک ہونے کے باوجود آپؐ نے ان تمام لوگوں کو اپنی اجتماعیت کا حصہ بنایا۔ اس کے بعد جہاں جہاں بھی اور جس جس موقع پر بھی کوئی اجتماعی اور سماجی کام سرانجام پایا ہے، تو اس موقع پر نبی اکرمؐ نے اجتماعیت کو ترجیح دی ہے۔''

مواخاتِ مدینہ اور قبائلی شناختیں

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

''ربیع الاوّل کے مہینے میں نبی اکرمؐ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے جاتے ہیں۔ آپؐ کے ساتھ ہجرت کرنے والے مکہ کے مسلمانوں کا تعلق مختلف قبائل سے تھا، جنھیں ''مہاجرین'' کہا جاتا ہے۔ آپؐ جب مدینہ پہنچتے ہیں، وہاں پر بھی اسلام قبول کرنے والے مختلف قبائل سے تعلق رکھتے تھے، جنھیں ''انصار'' کہا جاتا ہے۔ اسلام لانے کی وَجہ سے باقیوں سے جدا ہو کر اُن کی شناخت پیدا ہوگئی کہ یہ لوگ نبی اکرمؐ پر ایمان لانے والے ہیں۔ تمام لوگوں میں اخوتِ اسلامیہ موجود ہے۔ نبی اکرمؐ مدینہ منورہ میں پہنچتے ہیں تو تقریباً ایک مہینے بعد ماہِ ربیع الثانی میں وہاں کی سیاسی اور اجتماعی صورتِ حال کا جائزہ لے کر آپؐ نے ضروری سمجھا کہ مہاجرین و انصار کے درمیان مواخات کا معاہدہ کرایا جائے اور سب کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا جائے۔ ایسی مواخات کہ دونوں ایک دوسرے کے جانی و مالی معاملات کے ساتھ وابستہ ہوں۔

مواخات کا یہ معاہدہ دراصل مدینے کی اجتماعیت کا ایک اہم ترین پہلو ہے۔ مدینہ کی ریاست کی بنیاد اس معاہدۂ مواخات پر ہے۔ اب صرف یہ کہہ دینا کہ: ''چوں کہ ہم مسلمان ہوگئے اور ہمیں کسی قومی شناخت کی ضرورت نہیں ہے، اگر کوئی قومیت کی بات کرتا ہے تو یہ محض تعصب ہے۔'' یہ درست نہیں۔ آج کل کی جہالت کا بہت بڑا اثر ہماری سوسائٹی میں خاص طور پر مسلمان رہنماؤں کے دماغوں میں یہ ہے کہ اپنی نسلی یا قبیلائی شناخت ظاہر کرنا کوئی بہت بڑا جرم سمجھا جاتا ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اسلام ایک قومیت رکھتا ہے۔ کوئی کسی نسل کا ہو، کسی قوم کا ہو، کسی برادری کا ہو، مسلمان ہونا کافی ہے۔ حال آں کہ اسلام کے باوجود بھی لوگوں کی ذیلی شناختیں موجود رہتی ہیں۔ دراصل اُن شناختوں کو ایک سسٹم میں لانا ضروری ہوتا ہے کہ کسی مفید اجتماعیت کے لیے وہ شناختیں کارفرما ہوں۔ اسلام نہ تو ان قومی شناختوں کو سِرے سے مٹا دیتا ہے کہ اب کسی نسل کی اور کسی شناخت کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی اس کی بنیاد پر کسی ظلم کی اجازت دیتا ہے۔ اس لیے ''عصبیتِ جاہلیہ'' کی تشریح کرتے ہوئے حضورؐ نے فرمایا کہ: اپنے قبیلے یا برادری کے فرد کی ہر حال میں حمایت کرنا، خواہ وہ ظالم ہی کیوں نہ ہو، یہ عصبیتِ جاہلیہ ہے۔ لیکن حق کی بات کے لیے آواز بلند کرنا ایسی عصبیت ہے جو حقیقی ہے۔

ہر گروہ اپنی اپنی عصبیت کے اعتبار سے اپنی اجتماعیت قائم رکھتا ہے۔ مہاجرین و انصار کی اپنی اپنی شناخت آخر وقت تک الگ رہی۔ فتح مکہ کے موقع پر ہر قبیلے کی پلٹن اور لشکر جب مکہ میں داخل ہوتا ہے تو ہر ایک قبیلے کا اپنا جھنڈا ہوتا ہے۔ اپنی شناخت ہے۔ اُن کا اپنا سردار ہے۔ یہ انصار ہیں، پھر ان میں یہ اوس ہیں، یہ خزرج ہیں۔ مہاجرین ہیں تو وہ بھی اپنے سربراہ کے ساتھ باقاعدہ ایک جھنڈے کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہوتے ہیں۔ یاد رہے کہ نچلی ساری شناختوں کو ختم کر کے کوئی ڈسپلن قائم نہیں کیا جاسکتا، یہ غیر فطری عمل ہے، بلکہ شناختیں قائم رکھی جاتی ہیں۔''

سیرت النبیؐ اور اجتماعیت

حضرت آزادرائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

’’نبی اکرمؐ کی سیرتِ مقدسہ اور صحابہ کرامؓ کی پوری جماعت انسانی اجتماعیت کے پہلوؤں سے چیزوں کو دیکھتی ہے۔ اور اس کے مطابق فیصلے کرتی ہے۔ آج ہمارا انداز و اسلوب بدل گیا۔ سوچ اور نظریہ بدل گیا۔ اجتماعیت کے بجائے انفرادیت دماغوں میں پیدا ہوگئی۔ ہر مسلمان انفرادی طور یہ چاہتا ہے کہ وہ کسی طرح سے نیک بن کر جنت میں پہنچ جائے، باقی جیسے مرضی خراب ہوتے رہیں۔ وہ اکیلا علم حاصل کر کے، ڈگری لے کر اعلیٰ عہدے پر پہنچ جائے، باقی اجتماع تباہ ہوتا پھرے۔ ایک سرکاری افسر اپنے دس پندرہ بیس ہزار کی رشوت کے لیے پورے ملک کا کروڑوں کا نقصان کر دیتا ہے۔ ایک سیاست دان ذرا سے اپنے مفاد کے لیے پورے اجتماعی تقاضوں کو روند دیتا ہے۔ ایک مذہبی نمائندہ محض چند روپے چندے کی خاطر اجتماعی تقاضوں کو ختم کر کے فرقہ واریت کی آگ لگاتا ہے۔ اس طرح اجتماعیت کی سوچ ٹوٹ گئی۔ اور اجتماعیت کا جو ڈسپلن نبی اکرمؐ نے قائم کیا، وہ ہمارے پیشِ نظر نہیں رہا۔

یاد رکھیں! عبادات دنیا کے ہر مذہب میں انفرادی ہوتی ہیں، لیکن نبی اکرمؐ نے دینِ اسلام میں یہ عبادات اجتماعی بنا دیں کہ عبادات بھی جماعت کے ساتھ ہوں گی، معاملات اور سماجی تعلقات بھی اجتماعی اور سیاست و معیشت بھی اجتماعی تقاضوں کے تحت ہوں۔ حضور اقدسؐ کے ذاتی اور انفرادی شمائل و خصائص سے زیادہ آپؐ کے اجتماعی کردار ہمارے لیے اسوۂ حسنہ اور نمونہ ہیں۔ آپؐ کی ذاتِ گرامی تو اتنی بلند و بالا ہے کہ آپؐ نے جہاں جہاں بھی کوئی انفرادی عمل کیا ہے، اُس کی نقل اُمت کے لیے لازمی اور ضروری نہیں ہے۔ یا تو وہ ایسے امور ہیں، جو اُمت کے لیے سِرے سے جائز نہیں ہیں، وہ حضورؐ کی خصوصیات میں سے ہیں اور یا وہ ایسے امور ہیں، جو زیادہ سے زیادہ نفل، مستحب یا مسنون ہیں۔ فرض اور واجبات کے درجے میں جو بنیادی چیزیں ہیں، ان تمام کا تعلق اجتماعیت سے ہے۔

نبی اکرمؐ ایک غزوہ میں تشریف لے جاتے ہیں۔ بہت سے لوگوں کے پاس کھانے پینے کا سامان ختم ہوگیا، کچھ لوگوں کے پاس موجود ہے۔ حضورؐ نے دسترخوان بچھوایا اور سب سے کہا کہ جس کے پاس جو بھی کچھ ہے، وہ یہاں لے آؤ۔ کسی کے پاس کھجور تھی، کسی کے پاس ستو تھا، کسی کے پاس گھی تھا، کچھ ایسے بھی تھے کہ جن کے پاس کچھ نہیں تھا۔ سارا ایک جگہ جمع کیا، ڈھیر بنایا اور آپؐ نے تمام میں مساوی طور پر تقسیم کر دیا۔ اس طرح گویا آپؐ نے انفرادیت ختم کر کے، اجتماعیت پیدا کی۔ جس وقت جو مرحلہ درپیش ہوا، تو آپؐ کا اسوۂ حسنہ اجتماعیت سے عبارت ہے۔ ہمارا حال یہ ہے کہ ہم نے اس کے مقابلے پر جتنے اجتماعی امور ہیں، ان کو انفرادی یا طبقاتی مفادات کے لیے استعمال کرنا شروع کر دیا۔ اجتماعی امور ہیں تو انھیں اجتماع کے مفاد میں ہونا چاہیے۔ اور اجتماعی امور کا تعلق اجتماعی تعلقات اور روابط کے حوالے سے وجود میں آنا چاہیے۔‘‘

کرپٹ نظام میں ذاتی مفادات کا کھیل

حضرت آزادرائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

’’غلامی کے زمانے سے جو انفرادیت ہمارے دماغوں میں اُنڈیل دی گئی، اُس کے آج تک اثرات ہم ستر سالوں سے بھگت رہے ہیں۔ ہمارا پورا سسٹم اوپر سے نیچے تک انفرادیت کا شکار ہے۔ کہیں بھی اجتماعی ڈسپلن نہیں۔ بلدیاتی نظام سے لے کر قومی اور بین الاقوامی تعلقات تک کا سٹرکچر انفرادیت اور خواہشات کا اسیر ہے۔ پہلے وہی بلدیاتی اہلکار پیسے لے کر تجاوزات کراتے رہے کہ اپنی دُکان کے سامنے تھڑا آگے بڑھا لو، یہاں ٹھیلہ لگا لو اور ہمیں منتھلی پیسے دے دیا کرو۔ ہر فرد نے جس جگہ وہ سرکاری اور اجتماعی ڈیوٹی سرانجام دے رہا تھا، وہاں پیسے لے کر تجاوزات قائم کرائیں اور اب وہی تجاوزات اجتماعی تقاضوں کو نظرانداز کر کے گرائی جا رہی ہیں۔

اس بات کی تحقیق ہونی چاہیے کہ جس زمانے میں یہ تجاوزات ہوئے، اس وقت اُس علاقے کا بلدیاتی ایڈمنسٹریٹر کون تھا؟ ایسے لوگوں کو کٹہرے میں لایا جائے، جنھوں نے پیسے لے کر تجاوزات کرائے تھے۔ دُکانیں آگے بڑھوائی تھیں۔ اُن طاقت وروں کے خلاف تو کوئی کارروائی نہیں۔ وہ بے چارے غریب، جنھوں نے پیسے دے کر ٹھیلہ لیا، چند ہزار روپے میں تھوڑا سا تجاوز کیا اور اُس سے آگے بڑھ کر دوسرے تیسرے کو بیچا، ہر بازار میں اُس کا کروڑوں کا سودا ہوا، اور اب ان غریبوں پر بلڈوزر چڑھا دیا گیا۔ اگر آپ نئی اجتماعیت قائم کرنا چاہتے ہیں، قانون کے مطابق ریاست کو چلانا چاہتے ہیں تو تجاوزات کرانے والے اصل مجرموں کو پکڑیں۔ اُن طاقت وروں پر ہاتھ ڈالنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ غریبوں کے مکانات، اُن کی دُکانیں اور اُن کے ٹھیلوں کو بلڈوز کرنے کے درپے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اجتماعیت ٹوٹ چکی ہے۔ سسٹم تباہ (Collapse) ہو چکا ہے۔ افراد اور ان کے جتھے ریاست کے لیے چیلنج بن چکے ہیں۔

پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ دنیا کے جس ملک میں بھی سرمایہ داری نظام ہے، وہاں کرپشن ضرور ہے۔ اس لیے یہاں کے صحافی اور لکھاری کہتے ہیں کہ جی کرپشن تو سو فی صد روکی نہیں جا سکتی۔ کرپشن تو ہوتی ہے، لیکن حد سے نہیں بڑھنی چاہیے۔ کیوں بھائی؟ اگر کرپشن ناجائز ہے تو حد کیا اور غیر حد کیا؟ اور اگر کرپشن ختم کرنی ہی ہے تو پھر ایسا سسٹم تلاش کرو، جو سرمایہ داری نظام کے مقابلے میں کرپشن کو روکنے کے لیے باقاعدہ ایک اجتماعیت تشکیل دیتا ہو۔ اُس اجتماعیت میں بھی اگر کوئی کرپشن کرے تو اُسے سیدھا سولی پر لٹکا دو، جیسے چائنہ نے تین سو بڑے بڑے افسران، وزیر اور فوجی جرنیلوں کے ساتھ کیا تھا۔ بات یہ ہے کہ سرمایہ داری نظام کی موجودگی میں اجتماعی تقاضوں کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ اجتماعی تقاضوں کی تکمیل کے لیے سرمایہ دارانہ سسٹم سے نجات حاصل کرنے اور حضورؐ کی قائم کی ہوئی اجتماعیت کے اصولوں کو پیشِ نظر رکھ کر اپنے معاشرے کو بنانے کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں۔‘‘

www.rahimia.org

عظمت کے مینار

وسیم اعجاز، کراچی

حضرت مولانا خواجہ محمد عبدالحئی فاروقیؒ

امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے شاگردوں میں سے ایک مایۂ ناز شاگرد خواجہ محمد عبدالحئی فاروقیؒ بھی ہیں۔ خواجہ صاحبؒ 1887ء میں ضلع گورداس پور کی تحصیل ''شکر گڑھ'' میں خواجہ عبدالرحیم کے گھر پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد میٹرک کا امتحان ہائی سکول گورداس پور سے پاس کیا۔ اسلامیہ کالج لاہور سے گریجویشن کیا۔ دینی تعلیم کے حصول کے لیے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ 1913ء میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ سے دورۂ حدیث پڑھا اور سندِ فضیلت حاصل کی۔

دارالعلوم دیوبند میں طالبِ علمی کے زمانے میں ہی ان کی ملاقاتیں حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت سندھیؒ سے ہوئیں۔ ''جمعیت الانصار'' اور ''نظارۃ المعارف القرآنیہ'' کے ماحول میں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ انھی دنوں کو یاد کر کے خواجہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ: ''کہہ نہیں سکتا کہ ان (حضرت سندھیؒ) سے مل کر کس قدر مسرت و شادمانی اور اطمینانِ قلب نصیب ہوا۔ اس کیفیت کی یاد اب تک میرے دل میں تازہ ہے۔ مولاناؒ کو دیکھ کر خدا یاد آتا تھا۔ وہ جب تک دیوبند میں رہے، قرآنِ کریم اور ''حُجۃُ اللّٰہِ البالغہ'' کا درس برابر ہوتا رہا۔...ان محنتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن میں درس و فکر کا ذوق پیدا ہوگیا۔''

1913ء میں امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے حضرت شیخ الہندؒ کے حکم سے دہلی کی فتح پوری مسجد میں ''نظارۃ المعارف القرآنیہ'' قائم کیا تو موصوفؒ اس سے منسلک ہوگئے۔ اسی دوران طے شدہ حکمتِ عملی کے تحت گورنمنٹ کالج میرٹھ میں عربی زبان و ادب کے پروفیسر مقرر ہوگئے۔ وہ ہر ہفتے کے دن میرٹھ سے دہلی آتے، ہفتے کی شام اور اتوار کا روز حضرت سندھیؒ کے پاس رہ کر قرآنِ حکیم پڑھتے اور سوموار کی صبح اپنی ڈیوٹی پر میرٹھ حاضر ہوجاتے تھے۔ جولائی 1915ء میں مولانا ابوالکلام آزادؒ نے حضرت سندھیؒ کی مشاورت سے کلکتہ میں ایک ادارہ ''دارالارشاد'' قائم کیا۔ مولانا خواجہ عبدالحئیؒ میرٹھ کی ملازمت سے سبکدوش ہوکر اس ادارے سے منسلک ہوگئے۔

1915ء میں جب حضرت سندھیؒ کابل تشریف لے گئے تو مقامی سطح پر ''تحریکِ ریشمی رومال'' میں اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔ سی آئی ڈی کی رپورٹ کے مطابق اگست 1915ء میں گورداس پور میں بھی تحریکِ ریشمی رومال کے سلسلے میں لوگوں کو اکٹھا کرتے اور اپنی قومی و ملّی ذمہ داریوں سے آگاہ کرتے رہے۔ موصوفؒ کی تحریک میں سرگرمیوں کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ریشمی خطوط سازش کیس میں درج ہے کہ: ''خواجہ عبدالحئی پسر خواجہ عبدالرحیم دیوبند میں عبیداللہ سندھی کا بہت مخلص ساتھی تھا۔ وہ دیوبند میں مولانا محمود حسن کے مکان میں خفیہ میٹنگوں میں شامل ہوا کرتا تھا۔ ''جنودِ ربانیہ'' کی فہرست میں ''کرنل'' ہے۔'' کلکتہ میں مولانا ابوالکلام آزادؒ نے روزنامہ ''اقدام'' جاری کیا تو خواجہ صاحبؒ اس روزنامے کے ایڈیٹوریل بورڈ میں ممبر کے طور پر اپنے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ تحریکاتِ آزادی میں تحریکِ ریشمی رومال ایسی تحریک کے طور پر منظرِ عام پر آئی، جس نے تاجِ برطانیہ کے ایوانوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا، خواجہ صاحبؒ اس تحریک کے ذمہ دار لوگوں میں سے تھے۔ 1916ء میں تحریک کے اراکین کی تلاش اور گرفتاری کا سلسلہ شروع ہوا۔ مولانا آزادؒ کو رانچی میں نظربند کردیا گیا اور خواجہ صاحب کو کلکتہ چھوڑ کر لاہور آنا پڑا، جہاں انھیں میونسپل حدود میں نظربند رکھ کر سی آئی ڈی دفتر میں ہفتہ وار حاضری کا پابند کیا گیا۔ موصوفؒ نے اسلامیہ کالج لاہور کے نوجوانوں میں قرآنِ حکیم کے درس کا سلسلہ شروع کیا۔ ان میں حریت و آزادی پیدا کی، جس کے اثرات بعد کے ادوار میں ظاہر ہوئے۔ تحریکِ ریشمی رومال کے ردِعمل میں انگریز نے ''رولٹ ایکٹ'' نافذ کیا۔ اس ایکٹ کے خلاف جو احتجاجی تحریک چلی، خواجہ صاحبؒ نے اس میں بھرپور حصہ لیا، جس کی پاداش میں ان کی جائیداد ضبط کرلی گئی اور پہلے لاہور، پھر ملتان جیل میں قید کرلیا گیا۔

اکتوبر 1920ء میں تقریباً ڈیڑھ سال بعد خواجہ صاحبؒ کو رہائی ملی تو 12/ اکتوبر 1920ء کو ''جامعہ ملیہ اسلامیہ'' کی افتتاحی تقریب میں شرکت کے لیے علی گڑھ پہنچے۔ اسی موقع پر حضرت شیخ الہندؒ اور جامعہ ملیہ کے وائس چانسلر مولانا محمد علی جوہرؒ کے مشورے سے شعبۂ تفسیر و دینیات کا صدر مقرر کیا گیا۔ 30 سال تک جامعہ میں اپنی ذمہ داریوں کو نبھاتے رہے۔ اسی دوران حضرت سندھیؒ ہندوستان واپس آچکے تھے۔ انھیں حضرت سندھیؒ سے ایک بار پھر استفادے کا بھرپور موقع ملا۔ 1944ء میں حضرت سندھیؒ کے وصال کے بعد خواجہ صاحبؒ نے قطب الارشاد حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے بیعت کا تعلق قائم کیا۔ حضرت رائے پوریؒ کی تربیت اور صحبت سے خوب مستفید ہوئے۔ ان کا یہ تعلق آخر تک قائم رہا۔ 1950ء میں حضرت رائے پوریؒ اور مولانا آزادؒ کی مشاورت سے دہلی سے لاہور منتقل ہوگئے اور یہاں اسلامیہ کالج لاہور میں اسلامیات کے پروفیسر کی حیثیت سے آخر دم تک امور سرانجام دیے۔ اسی دوران ''انجمن اصلاح و تبلیغ'' سے وابستہ رہے۔ انھوں نے اپنی زیرِ نگرانی چند رفقا کے تعاون سے ''درسِ قرآن'' کے نام سے قرآنِ حکیم کا ترجمہ اور تفسیر لکھی۔ خواجہ صاحبؒ قرآنِ حکیم کی تفسیر ''تفسیر القرآن فی معارف القرآن'' کے نام سے لکھنا چاہتے تھے، مگر مکمل نہ کرسکے۔ اس تفسیر کے متفرق حصے اب تک شائع ہوچکے ہیں۔ خواجہ صاحبؒ فالج کے حملے کے باعث 8/ جنوری 1965ء کو تقریباً 78 سال کی عمر میں وصال فرما گئے۔ قبرستان میانی صاحب لاہور میں حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے قریب ہی مدفون ہیں۔

مولانا خواجہ عبدالحئی فاروقیؒ نے جمعیت الانصار کی عملی سرگرمیوں سے لے کر نظارۃ المعارف القرآنیہ، تحریکِ ریشمی رومال، تحریکِ ترکِ موالات اور جامعہ ملیہ تک سرتاپا بھرپور عملی زندگی بسر فرمائی۔ قرآنی علوم کے غلبے اور قومی آزادی کے حصول کے لیے ان عظیم تحریکات میں عملی کردار ادا کرنا بلاشبہ جان جوکھوں میں ڈالنے کے مترادف ہے۔ ان ہی کا ایک شعر ہے ؎

کچھ مقصد لے کر آتا ہے اس دنیا میں جو آتا ہے
محروم عمل جو رہتا ہے وہ جیتے جی مر جاتا ہے

www.rahimia.org

رفتارِ کار

رپورٹ: اشرف عبداللہ، کراچی/ رابیل احمد میمن، حیدرآباد

''سیرت کو اپنے اجتماعی کردار کا حصہ بنانا ضروری ہے''

[کراچی اور حیدرآباد میں ہونے والی سیرت کانفرنسز کے احوال]

خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے مسند نشین حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ پندرہ روزہ (29/نومبر تا 13/دسمبر 2018ء/ ۲۰/ربیع الاوّل تا ۵/ربیع الثانی ۱۴۴۰ھ) دورے پر کراچی اور حیدرآباد تشریف لائے۔ اس دوران مختلف مجالسِ ذکر و فکر کے ساتھ ساتھ ماہِ ربیع الاوّل کی مناسبت سے سیرت کانفرنسز کا اہتمام بھی کیا گیا۔ اسی سلسلے کا پہلا پروگرام 2/دسمبر 2018ء کو پاکستان سینٹرل ہومیو پیتھک میڈیکل کالج کراچی کے آڈیٹوریم میں منعقد ہوا، جس کی صدارت جناب پروفیسر امجد علی آرائیں نے کی۔ نظامت کے فرائض جناب آصف لطیف نے ادا کیے۔ حضرت مولانا مفتی محمد مختار حسن مدظلہ نے خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور اور ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور کا تعارف حاضرین کے سامنے پیش کیا۔ اس کے بعد حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ نے خصوصی خطاب فرمایا، جس میں انھوں نے کہا کہ: ''مدینہ کی ریاست بنانے کا دعویٰ اس وقت تک ممکن العمل نہیں، جب تک کہ ردِ سرمایہ داریت کی اساس پر حریت و آزادی کے نظریے کے تحت معاشرتی تشکیل نہ کی جائے۔''

اسی طرح 3/دسمبر 2018ء کو دوسری سیرت کانفرنس پاکستان سویڈش انسٹیٹیوٹ آف ٹیکنالوجی کے سیمینار ہال میں منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس کا اہتمام ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ کراچی کیمپس اور پاکستان سویڈش انسٹیٹیوٹ آف ٹیکنالوجی کے باہمی اشتراک سے کیا گیا۔ سیمینار کے مہمان خصوصی حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہ تھے، ان کے ہمراہ مولانا مفتی محمد مختار حسن مدظلہ اور مولانا مفتی عبدالقدیر مدظلہ نے بھی شرکت فرمائی۔ نظامت کی ذمہ داری جناب وسیم اعجاز نے سرانجام دی۔ کانفرنس کی صدارت سویڈش انسٹیٹیوٹ کے پرنسپل پروفیسر منیر احمد شیخ نے کی۔ کانفرنس کے آغاز میں سندھی روایت کے مطابق مہمانانِ گرامی کو اجرک پیش کی گئی۔ ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ کی جانب سے انسٹیٹیوٹ کے پرنسپل پروفیسر منیر احمد شیخ، ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ مکینیکل پروفیسر محمد ساجد اور ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ الیکٹریکل پروفیسر محمد فہیم کو ادارہ رحیمیہ کا تعارفی لٹریچر پیش کیا گیا۔

اس کے بعد مولانا مفتی محمد مختار حسن مدظلہ نے طلبا کے سامنے ادارہ رحیمیہ کا تعارف پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ: ''ادارہ رحیمیہ کا بنیادی مقصد نوجوانوں بالخصوص طلبا میں شعور و آگہی کو بیدار کرنا ہے، تاکہ وہ ہمارے معاشرے کے مفید فرد بن سکیں۔'' اس کے بعد حضرت اقدس مدظلہ نے اپنے خطاب میں کانفرنس میں شریک طلبا کو اس بات کی تاکید فرمائی کہ: ''آج ہماری کامیابی حضور اقدس ﷺ کی سیرت پر عمل کرنے سے ہی ممکن ہے۔ محض محبتِ رسول ﷺ کا دعویٰ کرنا کافی نہیں، بلکہ آپ ﷺ کی سیرت کو اپنے اجتماعی کردار کا حصہ بنانا بھی ضروری ہے۔''

حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہ کے دورۂ حیدرآباد میں دیگر اجتماعی نشستوں کے ساتھ ساتھ سیرتِ مبارکہ ﷺ کے اجتماعی تقاضوں کو سمجھنے کے لیے دو مختلف سیمینارز کا انعقاد کیا گیا۔ پہلا سیمینار 5/دسمبر 2018ء کو سندھی لینگویج اتھارٹی حیدرآباد کے سیمینار ہال میں منعقد ہوا، جب کہ دوسرا سیمینار 6/دسمبر 2018ء سندھ یونیورسٹی کے سندھالوجی ڈیپارٹمنٹ کے آڈیٹوریم میں منعقد کیا گیا۔

دونوں سیمینارز کی نظامت عرض محمد بروہی نے جب کہ صدارت پروفیسر ڈاکٹر طیب دین میمن نے کی۔ ان دونوں سیمینارز میں سندھ یونیورسٹی، مہران انجینئرنگ یونیورسٹی جام شورو، لیاقت یونیورسٹی آف میڈیکل سائنسز جام شورو، سندھ ایگری کلچر یونیورسٹی ٹنڈو جام کے طلبا کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔ مفتی محمد مختار حسن نے ادارہ رحیمیہ کا تعارف پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ: ''ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور اس تاریخی جدوجہدِ آزادی کے تسلسل کا نام ہے، جس نے تاریخ میں بے شمار قربانیاں پیش کیں۔ آج ہم اسی مشن کو آگے بڑھاتے ہوئے نوجوانوں میں آزادی اور حریت کا وہی پیغام اُجاگر کر رہے ہیں، جس کا آغاز حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے کیا تھا۔''

اس کے بعد سیمینار کے مہمانِ خصوصی حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہ نے اپنے خطاب میں سیرتِ مبارکہ کو اختیار کرنے پر زور دیتے ہوئے فرمایا کہ: ''حضور ﷺ کی زندگی کے وہ پہلو جن کا تعلق اجتماعی نظامِ حیات کے ساتھ ہے، ان کو اختیار کر کے ہی ہم اپنے اجتماعی مسائل سے نکل سکتے ہیں۔'' حضرت رائے پوری مدظلہ نے حضور ﷺ کی زندگی کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ: ''آپ ﷺ کی سیرت میں چار بنیادی تعلیمات ہیں، جن کا یاد رکھنا اور ان پر عمل کرنا ہم سب پر بہ حیثیتِ مسلمان بہت ضروری ہے: پہلی بات یہ کہ نظریے کے اعتبار سے حریت و آزادی کی سوچ کو اختیار کرنا۔ دوسری بات معاشرتی اور سماجی حوالے سے عدل و انصاف کی بلاتمیز رنگ، مذہب اور نسل تمام افرادِ معاشرہ کو فراہمی۔ تیسری اہم بات سیاسی دائرے میں امن و امان کے اجتماعی نظام کا قیام اور چوتھی اہم تعلیم معاشی میدان میں ردِ سرمایہ داریت کی بنیاد پر معاشی خوش حالی کے نظام کا قیام، تاکہ معاشرہ بہ حیثیتِ مجموعی ارتقا کی جانب عازمِ سفر ہو۔''

دونوں سیمینارز میں یونیورسٹیز کے طلبا نے بڑی دلچسپی سے شرکت کی اور سیرتِ رسول ﷺ کے اجتماعی تقاضوں سے آگہی حاصل کی۔

حضرت اقدس آزاد رائے پوری مدظلہ کے کراچی میں قیام کے دوران دیگر علاقوں؛ کیماڑی، لیاری، گلشنِ حدید اور ٹھٹہ میں بھی سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے کئی سیمینارز کا انعقاد کیا گیا، جس میں تعلیم یافتہ نوجوانوں کی بھرپور شرکت رہی۔

www.rahimia.org

Monthly RAHIMIA Lahore CPL No. 59

نعتیہ کلام وسیم اعجاز۔ کراچی

نعت بہ حضور سیّد المرسلین

صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

جب اُنؐ کی محبت کے طلب گار بنیں گے
تاریک شہر ، نور کے گل زار بنیں گے

سرکارؐ کی سیرت سے ہمیں سیکھنا ہوگا
اس راستے سے صاحبِ کردار بنیں گے

دربارِ رسالتؐ کا یہی درس ہے یارو
دنیا کے بُتوں کے لیے یلغار بنیں گے

ہم اُنؐ کی عنایات سے مخمور رہے ہیں
اُنؐ ہی کے وسیلے سے ہی مئے خوار بنیں گے

بے مثل نمونہ تو ہمیں بننا پڑے گا
گر اب نہیں بن پائے ، تو بے کار بنیں گے

دنیا کی چمک دل میں سمائے نہیں یاربّ!
ہو خدمتِ دیں ، غازیٔ کردار بنیں گے

غفلت کے اندھیروں سے خدا ہم کو بچا لے
ہو تیری رضا ، نور سے گھر بار بنیں گے

ہے عشقِ محمدؐ کی فقط ایک ہی صورت
شامل جو کبھی حلقۂ اَبرار بنیں گے

سرکارؐ کی سیرت تو ہے تفسیرِ قرآنی
ہے وعدہ وسیمؔ اس کے طلب گار بنیں گے

دینی مسائل

اس صفحے پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں!

از حضرت مفتی عبدالقدیر شعبۂ دارالافتا ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

سوال مسافر کے پیچھے مقیم شخص نماز پڑھے تو (۱) بقیہ رکعات کس طرح پوری کرے؟ (۲) بالخصوص جب وہ مسافر امام کی دوسری رکعت میں شامل ہو (۳) یا نمازِ قصر کے تشہد کی حالت میں شامل ہوا ہو؟

جواب مسافر امام کے پیچھے:

(۱) مقیم شخص چار رکعتوں کی نیت کرے گا۔ دو رکعت امام کے ساتھ اور پھر بقیہ دو رکعتیں امام کے سلام پھیرنے کے بعد پوری کرے گا۔ اور اس طرح ادا کرے گویا کہ امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہے۔ اس میں سورتِ فاتحہ نہیں پڑھے گا۔

(۲) اگر مقیم شخص دوسری رکعت میں شامل ہوا تو امام' قصر نماز کا جب سلام پھیرے تو مقیم پہلے ایک رکعت بغیر قرأت پڑھ کر تشہد میں بیٹھے۔ دوسری رکعت بھی بغیر قرأت کے پڑھے۔ پھر تیسری رکعت سورت فاتحہ اور قرأت کے ساتھ ادا کرے۔

(۳) اگر تشہد میں شریک ہوا ہو تو پہلے دو رکعت بغیر قرأت پڑھ کر تشہد بیٹھے۔ پھر دو رکعتوں میں ثنا کے بعد سورت فاتحہ پڑھے اور قرأت کرے۔

سوال مسافر شخص اگر مقیم امام کے پیچھے نماز پڑھے تو کیا وہ قصر کرے گا؟ یا پوری چار رکعت نماز ادا کرے گا؟

جواب مسافر شخص اگر مقیم امام کے پیچھے نماز پڑھے تو پوری نماز پڑھے گا۔ مقیم امام کے پیچھے نمازِ قصر جائز نہیں، خواہ مسافر تشہد میں ہی کیوں نہ شامل ہوا ہو۔

سوال ہمارے والد احمد بخش صاحب سکنہ کراچی کا انتقال ہوگیا، جن کے ورثا میں دو لڑکے از ہر امین اور مظہر امین اور چار لڑکیاں: شمشاد کوثر، ارشاد کوثر، نفیسہ بی بی اور خدیجہ بی بی زندہ ہیں۔ والد صاحب نے زندگی میں ایک مکان خرید کر دونوں بیٹوں کے نام لگوا دیا تھا، جب کہ شادیوں کے موقع پر جہیز اور بعد میں -/50,000 (پچاس ہزار روپے) ہر ایک بچے کو اپنی زندگی میں دے دیے تھے۔ والد صاحب نے ترکے میں ایک لاکھ ستر ہزار روپے نقد رقم چھوڑی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ والد صاحب نے اپنی زندگی میں جو جائیداد یا رقم تقسیم کر دی تھی، وہ اب ترکے میں شامل ہوگی یا نہیں؟ اور دوسرا موجودہ رقم کیسے ورثا میں تقسیم ہوگی؟ سائل: قاری محمد از ہر امین، گوجرانوالا

جواب احمد بخش صاحب نے جو جائیداد یا رقم زندگی میں بچوں میں تقسیم کر دی، وہ ان کی ملکیت ہوگئی۔ وہ وراثت میں شمار نہیں ہوگی۔ متوفی کی موجودہ جائیداد کے ادائے حقوق تجہیز و تدفین کے بعد آٹھ حصے کیے جائیں گے۔ ان میں سے دو دو حصے یعنی 42500 (بیالیس ہزار پانچ صد روپے) ہر ایک بیٹے کو اور ایک ایک حصہ یعنی 21250 (اکیس ہزار دو صد پچاس روپے) ہر ایک بیٹی کو ملے گا۔

مدیر اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع و ناشر نے اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "رحیمیہ" رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئنز روڈ لاہور سے جاری کیا۔